پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

ایران میں تحریکِ مشروطیت

محمد علی شاہ قاچار کا عہد

مظفر الدین شاہ قاچار کے بعد ولی عہدِ سلطنت محمد علی مرزا تخت نشین ہوا۔ عوام کو اس تبدیلی سے بڑی امیدیں تھیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ محمد علی قوم کی دلداری کرتا اس نے تشدد آمیز رویہ اختیار کیا۔ اس نے اگرچہ دستورِ مجلس پر دستخط کیے تھے لیکن اسے دستور سے نفرت تھی۔ اور وہ مجلس کو اپنا دشمن سمجھتا تھا کیونکہ وہ مطلق العنان بادشاہ کی طرح حکومت کرنا چاہتا تھا۔ مجلس کے قیام سے جو اسے وحشت تھی اس کا اظہار اس طرح کیا کہ رسم تاجپوشی کے موقع پر نمائندگان مجلس کو اس تقریب میں مدعو نہ کیا جس سے نمائندے سخت رنجیدہ ہوئے۔

وزیر اعظم مشیر الدولہ مجلس کو توڑنے میں بادشاہ کی ہم نوائی نہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے بیماری کو وجہ قرار دے کر مارچ ۱۹۰۷ء میں وزارتِ عظمیٰ سے استعفا دے دیا۔ بادشاہ کا آلۂ کار امین السلطان ہی بن سکتا تھا جو اس وقت یورپ میں تھا۔ چنانچہ اس کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی جو اس نے قبول کر لی۔

بغاوت اور شورشیں

اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ بادشاہ اور اس کے وفادار ساتھی مجلس کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ قومی مجلس میں دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ اعتدال پسندوں کا تھا۔ جس کا سربراہ امین السلطان کا دوست صنیع الدولہ تھا اور دوسرا گروہ انتہا پسندوں کا تھا جس کا رہنما سعد الدولہ تھا جس کا شمار امین السلطان کے دشمنوں میں ہوتا تھا۔ ایران کے مختلف علاقوں میں بدامنی پھیل رہی تھی۔ ماہ مارچ میں اصفہان میں بادشاہ کے چچا ظل سلطان کے خلاف آزادی خواہوں نے شورش بپا

کی جس پر بادشاہ نے اسے معزول کردیا۔ اسی مہینے میں شیراز اور تبریز میں بادشاہ کے خلاف شورش ہوئی۔ اہلِ تبریز نے وہ تمام اسلحہ چھین لیا جو شاہ کی فوج کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اپریل کے مہینے میں بختیاری سرداروں کے مابین لڑائی چھڑی۔ مئی میں سلطان آباد میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ جون میں کرمان شاہ میں بادشاہ کے بھائی سالار الدولہ نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے بغاوت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہاوند کے مقام پر تین دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ اسی لڑائی میں سالار الدولہ کو شکست ہوئی اور وہ برطانوی قنصل خانہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

امین السلطان کا قتل

ملک کے مختلف حصوں میں شورشوں کو فرو کرنے کے لئے بادشاہ کو ایسی فوج کی ضرورت تھی جو ہر لحاظ سے مطمئن ہو۔ مگر حالت یہ تھی کہ سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہیں نہ ملتی تھیں یا بالکل نہ ملتی تھیں۔ ملکی محصولات شاہی خزانہ میں بہت آہستہ آہستہ اور بے قاعدگی سے آتے تھے۔ ملکی بینک کھولنے کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ جرمنوں سے قرضہ لینے کی کوشش کی گئی مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ روسیوں سے قرض مل سکتا تھا لیکن عوام اس کے حق میں نہ تھے۔ بہر حال امین السلطان نے مجلس کے اعتدال پسند گروہ کو ساتھ ملا کر اس سے قرضہ لینے کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔ شاید وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا، لیکن تبریز کے ایک محبِّ وطن نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اور دوسری گولی اپنے آپ کو مار کر خودکشی کر لی۔

امین السلطان کا قاتل خفیہ انجمنوں کا رکن تھا۔ اور اس قتل سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کو ایک چالاک سازشی وزیر اعظم سے نجات دلائے جسے ملک کا غدار سمجھا جاتا تھا۔ قاتل کی جیب سے ایک رقعہ نکلا جس پر اس کا پتہ لکھا ہوا تھا "عباس آقا۔ آذربائیجان۔ رکن انجمن قومی فدائی نمبر ۴۱۔" اس کی موت پر متعدد شعرا نے مرثیے کہے۔ ایک مرثیہ فخر الواعظین نے بھی لکھا تھا۔ جس کے تین شعر مندرجہ ذیل ہیں۔

اے مزار محترم ہر چند بزم ماتمی ... نیک از این نوگل کہ خفت اندر تو شاد و خرمی

جای دارد در تو آں کو عالمی را زندہ کرد ... عیسیت خوابیدہ در دامن تو ما نا مریمی

اے جہانِ غیرت، اے عباس آقا کز شرف ... زخمِ قلبِ ملک و ملت را تو شافی مرہمی

مجلس کے ممتاز نمائندے

قومی مجلس میں شمالی ایران کے نمائندوں کے سامنے ایک واضح سیاسی پروگرام تھا جس پر وہ بڑی تن دہی سے عمل پیرا تھے۔ سیاسی میدان میں شمالی ایران کے شہر تبریز، تہران اور رشت کے نمائندے پیش پیش تھے۔ ان کا رہنما تقی زادہ تھا جو ایک سحر بیان مقرر تھا اور مجلس میں اسے بڑی مقتدر حیثیت حاصل تھی۔ تہران کے نمائندے سید عبداللہ بہبہانی، سید محمد طباطبائی اور سید جمال الدین واعظ تھے جو شروع ہی سے تحریکِ مشروطیت کے سرگرم مبلغ و رہنما تھے۔ دوسرے ممتاز رہنما ملک المتکلمین اور "صور اسرافیل" کے ایڈیٹر مرزا جہانگیر تھے۔ جن کی تقریر و تحریر بادشاہ کو بے چین رکھتی تھیں۔

جمہوریت پسندوں پر تشدد

محمد علی شاہ نے تہیہ کر رکھا تھا کہ مجلس کو توڑ کر دم لے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے خاص وفاداروں کو مختلف صوبوں کا حاکم بنا کر بھیجا۔ ان لوگوں نے تحریک مشروطیت کو کچلنے کے لیے تشدد شروع کر دیا۔ بعض جمہوریت پسندوں کو سرِعام بید لگوائے گئے اور پھر انھیں زندان میں ڈال دیا گیا۔ حاکم خراسان نے انتہائی کوشش کی کہ مشہد میں مجلس قائم نہ ہو۔ چنانچہ وہاں جو شخص مجلس کا نام لیتا اسے جیل میں ٹھونس دیا جاتا۔ حصولِ مقصد کے لیے بادشاہ نے جمہوریت دشمن افراد کو ایک مرکز پر جمع کر لیا تھا اور علی الاعلان کہتا تھا کہ "میرے آبا و اجداد نے ایران کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور اب میں بہ نوکِ شمشیر اسے اپنے قبضے میں رکھوں گا۔"

انجمن ملی کا قیام

محمد علی شاہِ قاچار کی جمہوریت دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ عوام جانتے تھے کہ بادشاہ کو روسیوں کی حمایت حاصل ہے اور وہ اسے جمہوریت کو کچلنے میں ہر ممکن مدد دیں گے۔ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ نوزائیدہ مجلس ابھی کمزور ہے اور اس کے لیے بادشاہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اس لیے اگر کوئی مؤثر ذریعہ اختیار نہ کیا گیا تو مجلس کا وجود باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ اب وہ استبداد کا تدارک کرنے کے لیے طاقت اور تشدد سے کام لینے پر مائل ہو گئے۔ اس مقصد کے لیے ملک کے بے باک بہی خواہوں نے "انجمن ملی" کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ اس جماعت کا مقصد

لوگوں کو انقلاب کے لیے تیار کرنا اور آگ اور خون کا کھیل کھیل کر مکمل جمہوریت قائم کرنا تھا۔ یہ انجمن قائم کرنے والے پندرہ ممتاز رہنما تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ملک المتکلمین۔ سید جمال الدین واعظ مرزا جہانگیر، ایڈیٹر صورِ اسرافیل۔ سید محمد رضا، ایڈیٹر مساوات۔ تقی زادہ۔ مرزا علی اکبر دہخدا۔ حکیم الملک سید عبدالرحیم خلخالی۔ سید جلیل اردبیلی۔ معاضد السلطنت۔ مرزا سلمان خاں۔ حسین علی نواب حاجی مرزا ابراہیم آقا۔ مرزا داؤد خاں۔ ادیب السلطنت اور نصرت السلطان۔

انجمن کی سرگرمیاں

انجمن ملی کے جلسے حکیم الملک کے مکان پر آدھی رات کے وقت ہوتے تھے اور سورج نکلنے سے پہلے یہ لوگ منتشر ہو جاتے تھے۔ اراکینِ انجمن جو مقالے سپردِ قلم کرتے وہ شب ناموں کے ذریعہ ایران کے طول و عرض میں ہاتھوں ہاتھ بھیج دیے جاتے تھے۔ ان شب ناموں کو ایران سے باہر بھیجنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ انجمن ملی کا اولین مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کو جمہوریت کی روح سے آشنا کر کے انھیں حکومت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے زبردست کوششیں کیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ہزاروں جوان اور دوسرے محبانِ وطن انجمنِ ملی کے رکن بن گئے۔ یہ اراکین اسلحہ حاصل کر کے بخوبی مسلح ہو گئے اور سب کام کاج چھوڑ کر فوجی تربیت حاصل کرنے لگے۔ بعض حریت پسند سرکاری فوج میں بھرتی ہو گئے تاکہ باقاعدہ فوجی تربیت حاصل کر لیں اور وقت آنے پر میدان میں کود پڑیں۔ مطلق العنان بادشاہت سے ٹکر لینے کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ نوجوانوں نے اپنے گھر کا اثاثہ تک بیچ کر اسلحہ خریدا۔ اور حصولِ مقصد کے لیے کامیاب جدوجہد کی تیاری کرنے لگے۔

صدائے منبر و صریرِ خامہ

تحریک مشروطیت میں علماء مجتہدین اور واعظوں اور صحافیوں نے جو اہم حصہ لیا اسے اہل ایران کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ سید جمال الدین واعظ اور ملک المتکلمین ہر روز کسی نہ کسی قومی انجمن میں یا مدرسہ سپہ سالار میں جلتے تھے اور لوگوں کو ملوکیت کے خلاف ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ان کی تقریروں کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح غیرت دلا کے جوش پیدا کرتے تھے۔

"اے لوگو! تم چھلنی کی مانند ہو کہ یہ جب تک پانی میں ہے، پانی سے پُر ہے اور جونہی یہ پانی سے باہر آتی ہے، خالی ہو جاتی ہے۔ تم جب تک میرے منبر کے قریب ہوتے ہو، تمھارے دل و دماغ میں ہیجان بپا ہوتا ہے۔ لیکن گھروں میں پہنچتے ہو تو تمھارا ہیجان خنکی اور خاموشی میں بدل جاتا ہے..... تم سُرخ پوشوں سے ڈرتے ہو۔ وہ بھی تو تمھاری طرح کے انسان ہیں۔ لیکن جن کے جسم و جان میں خوف اور بزدلی سماگئی ہو، فداکاری اور قربانی ان کے بس کا روگ نہیں۔"

ملک المتکلمین نے لوگوں کو "ملّتِ گوسالہ" کا لقب دے کر یوں مخاطب کیا تھا: "میں جانتا ہوں کہ جو فاسد اور غلیظ خون تمھاری رگوں میں دوڑ رہا ہے، تمھیں بے حد عزیز ہے اور تم نہیں چاہتے کہ اس کا کوئی قطرہ وطن کی نجات اور آزادی کے حصول کے لیے بہے۔ پستی اور دوں ہمتی تمھارا شیوہ ہے۔ تمھارے بزرگوں نے سربلندی سے زندگی بسر کی، تم اب ان کا نام ڈبوتے ہو۔ تم ایسے فرزندوں کی وجہ سے ان کی روحیں عذاب میں ہیں....."

مرزا جہانگیر، ایڈیٹر "صور اسرافیل" اور سید محمد رضا، ایڈیٹر "مساوات" تحریکِ مشروطیت کے رہنماؤں کی صفِ اوّل میں تھے۔ ان کے اخباروں نے جو تحریریں یادگار چھوڑی ہیں وہ آج بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں اور ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریک میں ایرانی صحافت نے کس قدر اہم اور نمایاں حصّہ لیا تھا۔

محمد علی قاچار، مرزا جہانگیر اور مرزا نصر اللہ ملک المتکلمین کو اپنے شدید ترین دشمنوں میں شمار کرتا تھا۔ اور مرزا جہانگیر کے مقالے اور ملک المتکلمین کی تقریریں اسے ہمیشہ بے چین و بے خواب رکھتی تھیں۔ آخر جب اس کو موقع ملا تو اس نے دونوں رہنماؤں کو گرفتار کرا کے انھیں ہلاک کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ مرزا جہانگیر کو جب قتل گاہ کی طرف لے جا رہے تھے تو انھوں نے مٹھی بھر خاک اُٹھائی اور بہ آوازِ بلند پکار کر کہا "اے خاکِ ایران گواہ رہنا کہ میرا خون تیری حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے بہ رہا ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے بڑے اطمینان سے جان دے دی۔

مرزا جہانگیر کے "صور اسرافیل" اور سید محمد رضا کے "مساوات" پر ہی موقوف نہیں، پورا ملکی پریس ملوکیت کے خلاف شدید نکتہ چینی کر رہا تھا۔ اور عوام کو انقلاب کے لیے مسلح ہو جانے کی تلقین کرتا تھا۔ اور خطیب اپنی شعلہ بیانی سے عوام کے جذبات کو مشتعل کر رہے تھے۔

بادشاہ کا حلف اور عہد شکنی

ہمہ گیر ہیجان کے دباؤ کی وجہ سے محمد علی شاہ پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۰۷ء میں مجلس میں آیا اور قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ میں دستور کی دفعہ ۳۹ کی رو سے مجلس کے دستور کا وفادار رہوں گا۔ ایسا حلف تو اس نے اب چوتھی بار اٹھایا تھا۔ البتہ مجلس میں آ کے حلف اٹھانے کا یہ پہلا موقع تھا۔

بادشاہ کا یہ حلف بھی پہلے کی طرح ایک فریب تھا اور اس نے سعد اللہ امیر جنگ بہادر اور دوسرے کاسہ لیسوں کو ساتھ ملا کر مجلس کی تباہی کے منصوبے بنائے۔ چنانچہ ۱۵ر دسمبر کو بادشاہ نے مجلس کے اراکین کو دعوت دے کر محل میں بلایا اور ناصر الملک وزیر اعظم کو گرفتار کر کے زنداں میں ڈال دیا۔ اس سے تہران میں ہنگاموں کا ایک طوفان اُمڈ پڑا۔ بادشاہ نے صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے شہر بھر کے غنڈوں کو منظم کرایا۔ میدان توپ خانہ میں ان کے لیے خیمے نصب کرائے اور انہیں غارت گری کی کھلی چھٹی دے دی۔ ان غنڈوں کی حفاظت کے لیے میدان توپ خانہ میں روسیوں کا فوجی دستہ بھی متعین کر دیا گیا۔ اسی دن بادشاہ نے مجلس کے ایوان، بہارستان پر قبضہ کرنے کا بھی منصوبہ بنایا مگر وہ اپنے ارادہ پر عمل نہ کر سکا۔

شدید ردِ عمل

دوسرے دن صبح کو نمائندگانِ مجلس اور حریت پسند انجمنوں نے منادی کرا کے بازار بند کروا دیے۔ عوام اپنی بندوقیں سنبھال کر بہارستان کے ارد گرد جمع ہو گئے کچھ لوگ چھتوں اور دیواروں پر چڑھ گئے اور اراکینِ مجلس کو مجبور کیا کہ وہ اپنا اجلاس جاری رکھیں۔ چنانچہ اجلاس جاری رہا۔ بادشاہ نے صورتِ حال بگڑتی دیکھی تو مجلس سے مصالحت کرنے کی تدبیر اختیار کرنی چاہی اور ایک قاچار سردار کو اراکین مجلس کے پاس بھیج کر یہ خواہش کی کہ عارضی طور پر مجلس کو توڑ دیا جائے تاکہ امن بحال کیا جا سکے لیکن اراکین مجلس نے سختی کے ساتھ یہ پیام مسترد کر دیا۔ احتشام السلطنت نے کہا کہ ہمیں یہاں مجلس کے مستقبل کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ایسے حکمران کے خلاف کیا اقدام کیا جائے جو قران پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاتا ہے اور پھر بدعہدی کرتا ہے یہ جواب ملنے کے بعد محمد علی شاہ نے پھر پیغام بھیج کر اپنے مطالبے میں ترمیم کی کہ اگر مجلس توڑی نہ جائے تو تقی زادہ، مشیر الدولہ، سید جمال الدین واعظ اور ملک المتکلمین کو مجلس سے

خارج کردیا جائے لیکن بادشاہ کا یہ مطالبہ بھی حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔

جب بادشاہ کے مطالبوں کی خبر اطراف ملک میں پھیلی تو تبریز، رشت، قزوین، مشہد اصفہان اور کرمان کے لوگوں نے مجلس پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اہل تبریز نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تمام غیر ملکی سفارت خانوں کو تار بھیج کر یہ ظاہر کیا کہ عوام محمد علی شاہ کی حکومت پر اعتماد نہیں کرتے اور پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے تخت سے اتار دیا جائے اور اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ نیز آذر بائیجان کی فوج کو جو تہران میں مقیم تھی تار دے کر تنبیہ کی گئی کہ اگر انھوں نے مجلس کے خلاف کوئی اقدام کیا تو ان کے گھروں کو تباہ و برباد کردیا جائے گا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ قزوین سے آزادی خواہوں کے مسلح دستے تہران پہونچ گئے اور تبریز سے بھی ایک ہزار سوار تہران کے لیے روانہ ہوئے۔

بادشاہ کو جب خطرناک صورتِ حال کا پتہ چلا تو اس نے اراکین مجلس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا کہ مجلس کے غدار حکام کو جلاوطن کردیا جائے۔ اور جن غنڈوں نے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا ہے ان کے خلاف شدید کارروائی کی جائے۔ اس سے کچھ عرصہ کے لیے امن قائم ہوگیا لیکن مجلس کو بادشاہ پر اعتماد نہ تھا اور اس کا واحد علاج یہ تھا کہ بادشاہ تخت و تاج سے دست بردار ہو جائے یا اسے جبراً تخت سے اتارا جائے۔

محمد علی شاہ پر حملہ

۱۹۰۸ء میں پھر یہ کوشش ہوئی کہ بادشاہ اور اراکین مجلس میں مصالحت ہو جائے اور ایک مصالحتی کمیٹی بنائی گئی لیکن ملوکیت اور جمہوریت کے درمیان جو خلیج حائل تھی وہ پاٹی نہ جاسکی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ کی سواری جب شہر میں سے گزر رہی تھی تو کسی نے اس کی موٹر کار پر بم پھینکا۔ لیکن وہ بچ گیا۔ اراکین مجلس نے اگرچہ بم پھینکنے والے کی مذمت کرکے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا لیکن بادشاہ کی عداوت اور نفرت میں مزید اضافہ ہوگیا اور اس نے روسیوں کی مدد سے مجلس کو تباہ کر دینے اور آزادی خواہوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ روسیوں نے بہانہ بنا کر حریت پسند سواروں کی ایک جمعیت کو ہلاک کردیا اور کچھ گھروں کو آگ لگادی۔ تبریز اور آذربائیجان کے بعض اور شہروں میں بھی حریت پسندوں کا خون بہایا گیا۔

مصالحت کی ایک اور کوشش

بادشاہ کو یقین تھا کہ اس پر بم گرانے میں اراکین مجلس کا ہاتھ ضرور ہے جو مجلس کے اندر اور باہر بادشاہ کو ہدفِ مطاعن بناتے رہتے تھے۔ ماہ مئی میں اس نے ایک بار اور مصالحت کی کوشش کی کہ شاید مخالفین کی سرگرمیاں رُک جائیں۔ چنانچہ وہ اس بات پر متفق ہوگیا کہ وہ اپنے ان چھ درباریوں کو ملک بدر کردے گا جن کے رویہ پر مجلس کے نمائندوں کو شدید اعتراض تھا۔ دوسری طرف آزادی خواہ اراکین مجلس نے وعدہ کیا کہ وہ بادشاہ پر مجلس یا پریس کے ذریعہ ذاتی حملے نہیں کریں گے۔

قومی رہنماؤں کی گرفتاری

محمد علی شاہ اپنے عہد پر قائم رہنے کے بجائے ایک دن اچانک روسیوں کے فوجی دستوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر آیا اور گرمی کو بہانہ بنا کر باغ میں ڈیرہ لگایا۔ یہاں اس نے تحریک مشروطیت کے مقبول عام رہنماؤں کو دعوت دے کر بلایا اور جوں ہی وہ باغ میں داخل ہوئے انھیں گرفتار کرلیا۔ اُن کی گرفتاری کی خبر سے تہران میں تہلکہ مچ گیا۔ بادشاہ نے روسی کرنل لیاخوف کو فوجی گورنر مقرر کر کے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ مسجد سپہ سالار میں مجتہدین صورت حال پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ روسی فوج نے مطالبہ کیا کہ اجتماع کو منتشر کر دیا جائے۔ انجمن ملی نے اس مطالبے کی مخالفت کی۔ لیکن مجتہدین نے یہی مناسب سمجھا کہ مسجد کو چھوڑ کر گھروں کو چلے جائیں۔ چنانچہ مسجد خالی کردی گئی۔

ایوانِ مجلس پر گولہ باری

بادشاہ اب انتہائی سخت قدم اُٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے اشارہ پر روسی بریگیڈ اور دوسرے فوجی دستوں نے بہارستان کے گرد گھیرا ڈال دیا اور چاروں طرف سے مجلس کی عمارت پر گولے برسانے لگے۔ جن سے متعدد اراکینِ مجلس شہید ہو گئے۔ بہارستان میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ بعض نمائندے وہاں سے نکل کر برطانوی سفارت خانہ میں چلے گئے۔ بہبہانی اور طباطبائی گرفتار کرلیے گئے۔ سید جمال الدین واعظ، جو رستان کی طرف جانا چاہتے تھے، راستہ میں مارے گئے۔ مرزا جہانگیر اور ملک المتکلمین، جنھیں بادشاہ اپنا شدید ترین دشمن سمجھتا تھا، تختۂ دار

پر لٹکا دیے گئے ۔ اس کے بعد لیاخوف نے شہر کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس خوفناک اقدام سے بادشاہ کچھ عرصہ کے لیے مطمئن ہو گیا کہ اس نے مجلس کو کچل ڈالا ہے۔

تبریز پر شاہ پسندوں کی فوج کشی

تہران میں آزادی کا چراغ بجھا تو اکثر شہروں میں موت کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ مجلس کی تباہی کی خبر تبریز پہنچی تو آزادی خواہ سخت مضطرب ہوئے ۔ اہل تبریز نے اب مشروطیت کا پرچم سنبھالا اور انتہائی جان فشانی سے استبداد کا مقابلہ کرنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ جمہوریت کامیاب ہو کے رہے گی اور اگر وہ اپنی زندگی میں مشروطیت سے ہم کنار نہ ہو سکے تو آنے والی نسلیں اس سے ضرور فیض یاب ہوں گی۔ شروع ہی سے اہل تبریز جمہوریت کے علمبردار تھے اور اب وہ گروہ در گروہ فوجی تربیت حاصل کرنے لگے۔

محمد علی شاہ آذربائیجان کی شجاعت اور ثابت قدمی سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اس نے ان کی شورش کو فرو کرنے کے لئے شہزادہ عین الدولہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ عین الدولہ نے ایک بڑی اور منظم فوج لے کر پورے ساز و سامان کے ساتھ آذربائیجان کے دارالحکومت تبریز کا رخ کیا ایسے نازک حالات میں مشروطیت کی حمایت کے لیے ایک ایسا جان باز آزادی خواہوں کے سامنے آیا جسے گویا قدرت نے جمہوریت کے دفاع کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔ یہ ستار خاں تھا۔ اس دلیر شخص نے سالار ملی باقر خاں کی رفاقت میں تبریز کے مجاہدوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا اور کمال مردانگی سے شاہ پسندوں کا مقابلہ کر کے انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ اب عین الدولہ نے جم کر لڑنے کی بجائے تبریز کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر میں رسد داخل ہونے کے سب راستے بند کر دیے لیکن اہل تبریز نے بڑی ثابت قدمی کا ثبوت دیا اور شاہ پسندوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ روسیوں اور انگریزوں نے ناکہ بندی کے خلاف احتجاج کیا اور محمد علی شاہ مجبور ہو گیا کہ رسد رسانی کے راستے کھول دے۔ بادشاہ نے مشروطیت پسندوں کو کہلا بھیجا کہ ملک میں جمہوریت بحال کر دی جائے گی۔ لیکن یہ بھی ایک فریب تھا اور مشروطیت پسند اس فریب میں نہیں آئے۔

تہران کی طرف آزادی خواہوں کی پیشقدمی

مشروطیت پسند اب تہران کی طرف پیش قدمی کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ نجف علی خاں

صمصام السلطنت اصفہان سے بختیاریوں کی جمعیت لے کے آزادی خواہوں کی حمایت کے لیے تہران آیا۔ اور یہ محمد علی شاہ کے لیے بڑا فال تھا۔ اہل رشت نے بھی علم آزادی بلند کر دیا۔ انہیں محمد ولی خاں سپہدار اعظم جیسا سہارا ملا جو عین الدولہ کے ماتحت فوجی سپہ سالار رہ چکا تھا اور اب شاہی ملازمت ترک کر کے آزادی خواہوں میں شامل ہو گیا تھا۔

مشروطیت کی جدوجہد میں ایک اور حریت پسند شخص نے کارنمایاں انجام دیا۔ یہ حاجی علی قلی خاں سردار اسد تھا جو ایک بختیاری سردار تھا۔ اس نے علم آزادی بلند کر کے صمصام الدولہ کے ہاتھ اور مضبوط کر دیے۔ آزادی خواہوں کے اس مسلح لشکر نے تہران کی طرف کوچ کیا تاکہ محمد علی شاہ کو اپنے وعدے پورے کرنے پر مجبور کیا جائے۔ محمد علی شاہ کو اب ایسا خطرہ نظر آ رہا تھا جو اسے تخت و تاج سے محروم کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایک بار پھر ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا حلف اٹھایا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

بختیاریوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق شمال کی طرف کوچ کیا۔ روسیوں اور انگریزوں نے مل کر انھیں روکنا چاہا۔ لیکن سردار اسعد نے کہا کہ تہران کی طرف کوچ کرنے کا قدم اس نے رائے عامہ کے اصرار پر اٹھایا ہے اور اگر اسے روکا گیا تو ایران کے طول و عرض سے لوگ تہران کی طرف کوچ کریں گے۔ اس جواب پر روسی اور انگریز خاموش ہو گئے لیکن روسیوں نے اپنے فوجی دستے باکو میں جمع کر لیے تاکہ وقت آنے پر انھیں ایران بھیجا جا سکے۔

شاہی فوج اور روسی بریگیڈ کی صفائی

اس وقت بادشاہ اور مشروطیت پسندوں میں جنگ کی صورت یہ تھی کہ بادشاہ تہران سے باہر کیمپ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ پانچ ہزار فوج تھی۔ آٹھ سو قازق روسیوں کا بریگیڈ تہران کی مدافعت پر مامور تھا۔ اور تین سو پچاس سپاہیوں کا دستہ کرج پل کی حفاظت کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ جو مغرب کی طرف تہران سے ۲۵ میل کے فاصلے پر تھا۔ دو سو فوجیوں کا ایک دستہ بختیاریوں کی پیش قدمی روکنے پر مامور تھا۔ شاہی فوج سے جس کی تعداد پندرہ سو تھی، بختیاریوں کا پہلا مقابلہ کاشان میں ہوا۔ اس لڑائی میں آزادی خواہوں کو فتح ہوئی اور شاہی فوج تہران کی طرف پسپا ہو گئی۔ بختیاریوں کی تعداد دو ہزار تھی اور ان میں سے ہر فرد مسلح تھا۔ رشت

کا لشکر ایک ہزار حریت پسندوں پر مشتمل تھا۔ ان کے ساتھ روسی بریگیڈ کا تصادم شاہ آباد کے مقام پر ہوا اور روسی بریگیڈ کو بھی تہران کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ سردار اسعد بختیاریوں کے ساتھ رشت کی فوج سے کرج پل کے مقام پر آملا۔

محمد علی شاہ کی معزولی

مشروطیت پسند تہران کی طرف بڑھے چلے آتے تھے اور محمد علی شاہ کے لیے صورت حال خراب سے خراب تر ہو رہی تھی۔ لیکن روسیوں کی تین ہزار فوج انزلی بندرگاہ پر اتر چکی تھی اور حریت پسندوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ روسیوں کے آنے سے پہلے ہی محمد علی شاہ کو تخت و تاج سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہی فوجوں اور آزادی خواہوں کے درمیان تہران کے قریب ۱۱ اور ۱۲ جولائی ۱۹۰۸ء کو خونریز لڑائی ہوئی۔ محمد علی شاہ کی فوج شدید گولہ باری کرتی رہی۔ لیکن آخر کار اسے ناکامی ہوئی۔ اور فتح یاب حریت پسند تہران میں داخل ہو گئے۔ محمد علی شاہ یہ دیکھ کر کہ وہ آخری بازی ہار چکا ہے۔ ۱۶ جولائی کو تہران سے نکل کر روسی سفارت خانہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ بادشاہ دارالسلطنت سے چلا گیا تو رات کے وقت اراکین مجلس کا اجلاس منعقد ہوا۔ مجلس نے بادشاہ کو معزول کر کے اس کے نابالغ بیٹے احمد مرزا کو تخت نشین کر دیا۔ نئے بادشاہ کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ اس لیے ایک عمر رسیدہ قاچار سردار علی رضا عضد الملک کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ جس نے نئی حکومت بنائی اور بڑے بڑے عہدے حریت پسند فاتحین کو سونپ دیئے گئے۔

اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی مجلس کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُمورِ سلطنت غیر منظم تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ اور انگریز اور روسی ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود مجلس کے اراکین میں پھوٹ پڑ گئی تھی اور یہ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک انتہا پسند اور دوسرا اعتدال پسند۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر محمد علی شاہ تخت و تاج دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ۱۹۱۱ء میں وہ بھیس بدل کر استرآباد آ گیا اور فوج اور سامان فراہم کرنے میں کامیاب ہو گیا روسیوں نے بھی فوج مہیا کرنے میں محمد علی شاہ کو مدد دی۔ آخر کار شاہ پسندوں اور آزادی خواہوں کے درمیان قم اور نوبران میں مقابلہ ہوا۔ ان لڑائیوں میں آزادی خواہ فتح یاب ہوئے۔ محمد علی شاہ کو جب کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے باحسرت و یاس ایران کو خیرباد کہا اور یورپ چلا گیا۔